ڈاکٹر محمد طاہر ملک

وصیۃ عبدالکریم بن محمد لاہوری

متوفی ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۳ء

مصنف کے حالات

عبدالکریم بن محمد لاہوری کی سوانح حیات کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوسکا ہے، صرف اتنا پتا چل سکا ہے کہ وہ کم از کم ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۳ء تک زندہ تھے[1] ان کے والد کا نام محمد تھا[2] لیکن تعجب ہے کہ ڈاکٹر زبید احمد نے عبدالکریم لاہوری کو مخدوم الملک عبداللہ انصاری کا بیٹا بتایا ہے[3] جو دربار اکبری کے مشہور و معروف

---

[1] "عقاید الموحدین" (مخطوطہ)، مؤلفہ عبدالکریم بن محمد لاہوری، نمبر ۲ ۵۷، Pet ۱۸۴۸، برلن یونیورسٹی: (وکان لفراغ من تالیف ھذہ الرسالۃ الشریفۃ فی سنۃ الف وسبعین . . .)؛
معجم المؤلفین، کحالہ ۵ : ۳۰۵، اور بروکلمان ۲ : ۵۵۳ میں مذکور ہے کہ عبدالکریم کی وفات تقریباً ۱۰۶۰ھ/ ۱۶۰ء میں ہوئی۔ تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۳۲۰) میں سنِ وفات ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء ہے۔ JOHN A. SUBHAN نے بھی اپنی کتاب (SUFISM)، ص ۳۵۴ میں یہی تاریخ لکھی ہے۔

[2] مصنف کی تین کتابیں (۱) وصیۃ (۲) منتھی مطالب السالکین اور (۳) عقاید الموحدین برلن یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں، اور ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں میرے پاس موجود ہیں، ان تینوں کتابوں میں مؤلف کے والد کا نام "محمد" صراحتاً موجود ہے ـــــ عبدالکریم بن محمد لاہوری کی ایک اور کتاب "الرسالۃ فی التصوف" کا ذکر ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی کتاب (CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE, P. 356, 1967) میں کیا ہے جو بقول ان کے آصفیہ لائبریری، حیدرآباد دکن میں موجود ہے اور اس کا کیٹیلاگ نمبر ۱ : ۳۶۶ ہے۔

[3] ڈاکٹر زبید احمد نے "خزینۃ الاصفیا"، مؤلفہ غلام سرور لاہوری کے بیان کو اپنایا ہے اور یہ تو کہا ہے کہ "عبدالکریم کے والد" مخدوم الملک عبداللہ انصاری" تھے، لیکن خزینۃ الاصفیا نے اس بیان کو ذکر نہیں کیا کہ عبدالکریم لاہوری "شرح فصوص الحکم" اور "اسرار غیبیہ" کے مصنف تھے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ دونوں کتابیں فارسی زبان میں ہیں، لیکن یہ بات مزید ہے کہ ڈاکٹر زبید احمد کو برلن یونیورسٹی میں عبدالکریم لاہوری

علما میں سے تھے۔[۴] اسی مخدوم الملک عبداللہ انصاری کے متعلق بدایونی نے لکھا ہے کہ ان کی اولاد میں سے چند ناخلف لڑکے رہ گئے ہیں جو چنداں لائق ذکر نہیں ہیں[۵] کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ بدایونی مخدوم الملک کا بدنام علما میں شمار ہونے کے باوجود اس کی علمیت کا اعتراف تو کرے[۶] لیکن اس کی اولاد کے بارے میں یہ لکھے کہ چنداں لائق ذکر نہیں جب کہ مخدوم الملک کا ایک لڑکا یعنی عبدالکریم نیک و صالح ہونے کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں کا مصنف بھی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ "عبدالکریم" نام کے دو بزرگ اس صدی میں ہم عصر تھے۔ ان میں ایک چشتیہ سلسلے کے بزرگ ہیں جو مخدوم الملک عبداللہ انصاری کی اولاد ہو سکتے ہیں بشرطیکہ بدایونی کے مندرجہ بالا بیان کو کہ "مخدوم الملک کی اولاد میں سے چند ناخلف لڑکے رہ گئے ہیں جو چنداں قابلِ ذکر نہیں" کوئی اہمیت نہ دی جائے، اور دوسرے "عبدالکریم" وہ تھے جن کے والد کا نام محمد تھا اور جن کی ایک کتاب زیر بحث ہے

عبدالکریم لاہوری کو مخدوم الملک عبداللہ انصاری کا لڑکا ہونے کو مفتی غلام سرور لاہوری (۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء) نے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: خزینۃ الاصفیاء ۱: ۴۷۰، حدیقۃ الاولیا، ص ۹۱، ۹۲ (اردو ترجمہ)

یہ بیان مختلف اعتبار سے محلِ نظر ہے:

۱۔ عبدالکریم کے والد شیخ مخدوم عبداللہ انصاری کو اکبر بادشاہ نے ہندوستان سے نکال دیا اور حرمین شریفین بھیج دیا تو عبدالکریم بھی ان کے ساتھ تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱: ۴۷۰)

۲۔ عبدالکریم "عمادی الملک عبداللہ انصاری کے لڑکے تھے جو سرکار شاہی میں ایک امیر کبیر تھے، عبدالکریم شیخ نظام الدین بلخی (۱۰۲۴ھ/ ۱۶۱۵ء) کے مرید تھے اور جب اکبر بادشاہ نے نظام الدین بلخی کو

کی موجود تین کتابوں میں سے کسی کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، ورنہ وہ ایسا نہ لکھتے، اس لیے کہ برلن یونیورسٹی میں موجود تینوں کتابوں میں "عبدالکریم بن محمد لاہوری" لکھا ہوا ہے، نہ کہ "عبدالکریم بن مخدوم الملک عبداللہ انصاری"

[۴] بدایونی، منتخب التواریخ (ترجمہ محمود احمد فاروقی، ۱۹۶۲ء) ص ۷۰۰۔ خزینۃ الاصفیا، غلام سرور لاہوری، ۱: ۴۴۷۔ نزہۃ الخواطر، عبدالحی لکھنوی، ۴: ۲۰۶، ۲۰۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (اردو)، ص ۳۲۰ تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد، تاریخ فرشتہ ۱: ۲۴۹ سے آگے [۵] منتخب التواریخ، ص ۶۰۱

[۶] منتخب التواریخ، ص ۶۰۱، تذکرہ مولانا آزاد — الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر ۱۹۳۶ء، ص ۳۳۔۵۵ — تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند، مسعود عالم ندوی، دار العربیۃ، ص ۶۴۔۶۵

ہندوستان سے نکال دیا اور حرمین شریفین بھیج دیا تو عبدالکریم بھی ان کے ہمراہ تھے (حدیقۃ الاولیا، ص ۹۲)

۳۔ نظام الدین بلخی نے جہانگیر بادشاہ کے باغی بیٹے شہزادہ خسرو کی دل جوئی اور اس کے لیے دعا کی تو جہانگیر نے ان کو ہندوستان سے نکال دیا اور وہ حرمین شریفین چلے گئے۔ (خزینۃ الاصفیا، ۱ : ۴۶۴)

۴۔ عبدالکریم دو دفعہ حج کے لیے تشریف لے گئے، ایک دفعہ اپنے باپ کے ساتھ اور دوسری دفعہ پیدل اپنے احباب کے ساتھ۔ (خزینۃ الاصفیا، ۱ : ۴۷۰)

۵۔ مخدوم الملک عبداللہ انصاری کا انتقال ۱۰۰۶ھ/۱۵۹۷ء میں ہوا۔ (خزینۃ الاصفیا، ۱ : ۴۸۸)

۶۔ عبدالکریم کا انتقال ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء میں ہوا (خزینۃ الاصفیا، ۱ : ۴۷۰۔ حدیقۃ الاولیا، ص ۹۲)

مندرجہ بالا بیانات میں جو تضاد ہے وہ یہ ہے :

الف : عبداللہ انصاری کو ایک جگہ "مخدوم الملک" اور دوسری جگہ "عمادی الملک" ظاہر کیا گیا ہے،

ب : ایک بیان میں ہے کہ "مخدوم الملک" کو اکبر نے ملک بدر کیا تو عبدالکریم ان کو ساتھ تھے جب کہ دوسرا بیان ہے کہ جب اکبر نے "نظام الدین بلخی" کو ملک بدر کیا تو عبدالکریم ان کے ساتھ تھے، اس سلسلے میں تیسرا بیان یہ ہے کہ نظام الدین بلخی کو اکبر نے نہیں بلکہ جہانگیر نے ملک بدر کیا تھا۔

ج : ایک بیان یہ ہے کہ عبدالکریم دو دفعہ حج کے لیے تشریف لے گئے، ایک دفعہ اپنے والد کے ساتھ اور دوسری دفعہ اپنے احباب کے ساتھ پیدل تشریف لے گئے تھے۔ (خزینۃ الاصفیا، ۱ : ۴۷۰) لیکن اوپر کے بیان نمبر ۱ اور ۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ اپنے باپ "مخدوم الملک" کے ساتھ اور دوسری دفعہ اپنے شیخ نظام الدین کے ساتھ۔

د۔ خزینۃ الاصفیا کے مطابق مخدوم الملک کی وفات ۱۰۰۶ھ/۱۵۹۷ء میں ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مخدوم الملک کا انتقال ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں ہوا (منتخب التواریخ، ص ۶۰۱) اور یہی سن وفات اکبر نامہ جلد سوم ص ۳۸۷ اور تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۵ میں مذکور ہے، اور ثانی الذکر ہی سال وفات صحیح ہے جو مورخوں نے تسلیم کیا ہے۔

ہ۔ خزینۃ الاصفیا اور حدیقۃ الاولیا میں عبدالکریم کی سن وفات ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء مذکور ہے، اور یہی کو تمام دیگر مصنفوں نے مانا ہے، لیکن یہ سن وفات اس امر کے پیش نظر کہ عبدالکریم نے ایک کتاب ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء میں لکھی تھی، غلط ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں نمبر ۱ بالا۔

د - ایک اہم بات عبدالکریم کی نسبت سے بھی قابلِ غور ہے، خزینۃ الاصفیاء اور حدیقۃ الاولیاء میں ان کی دو فارسی کتابوں یعنی "شرح فصوص الحکم" اور "اسرار عجیبہ" کا ذکر ہے، اس سلسلے میں حال ہی ڈاکٹر ظہیر الدین احمد نے مزید دو کتابوں کا اضافہ کیا ہے، اول "مصباح العارفین" جس کا صرف قلمی نسخہ موجود ہے۔ (پاکستان میں فارسی ادب ۲ : ۲۸۲) دوم "رسالہ در تربیتِ سلوک" جو مولوی محمد شفیع کے کتب خانے میں شمار نمبر ۴۷ پر موجود ہے۔ (پاکستان میں فارسی ادب، ۳ : ۵۰۵)

مؤخر الذکر کتاب یعنی رسالہ در تربیتِ سلوک کے سلسلے میں جو نوٹ ڈاکٹر ظہیر الدین نے لکھا وہ بہت ہی اہم ہے اس لیے کہ اس کی بنا پر کتاب کے مصنف کی حیثیت سے زیرِ بحث "عبدالکریم" کا نام مشتبہ ہو جاتا ہے۔

"اس (رسالۃ در تربیتِ سلوک) کے مصنف عبدالکریم لاہوری ہیں۔ یقینی طور پر مشخص نہیں ہو سکا کہ یہ عبدالکریم کون بزرگ ہیں، اس نام کے ایک عالم و صوفی مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کے خلف الرشید تھے۔ ... وہ ۱۰۴۵/ ۱۶۳۵ء میں فوت ہوئے۔ اس رسالے کی تالیف کا زمانہ ان کی زندگی سے مطابقت رکھتا ہے، لیکن صرف ایک بات مشتبہ ہے، ان کے متعلق معلوم ہے کہ وہ چشتیہ سلسلے سے وابستہ تھے، لیکن اس رسالے میں انھوں نے نقشبندیہ مسلک کے مطابق سلوک و طریقت کے مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس رسالے کی تمہید میں مصنف نے لکھا ہے کہ سلوک کے اختلافی مسائل کی وضاحت کے لیے لوگوں نے "میانجو" سے درخواست کی۔ "میانجو" نے عبدالکریم کو اس کی توضیح و تشریح کے لیے رسالہ لکھنے کے متعلق ارشاد فرمایا:

ڈاکٹر محمد بشیر حسین کا خیال ہے کہ "میانجو" سے مراد حضرت "میاں میر" (م ۱۰۴۵/ ۱۶۳۴ء) ہیں، یہ قیاس صحیح نہیں ہے، ایک تو یہ کہ یہ قادریہ سلسلے ... ہیں، دوسرے یہ کہ اس رسالے کے اخیر میں مصنف نے لکھا ہے: "کمال علم مجلس خاص کہ خاصہ کشف حضرت میانجو است، آنرا وصول دارد و شرح آں در کتاب خلاصۃ المعارف قسم ثانی از نکات الاسرار از خود مبین و مفصل ساختہ اند، آنجا مطالعہ شاید (فہرست مخطوطات شفیع، مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین، لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۳۶۲)۔ خلاصۃ المعارف اور نکات الاسرار حضرت آدم بنوری نقشبندی (م ۱۰۵۲ھ) کی تالیف ہیں۔ ... (متن کی تشریح نقشبندیہ طریقے سے مطابقت رکھتی ہے"۔ (پاکستان میں فارسی ادب، ڈاکٹر ظہور الدین احمد، جلد سوم، ص ۵۰۵ - ۵۰۷، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، دسمبر ۱۹۷۷ء

مزید برآں، اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ عبدالکریم نامی کی ایک کتاب "شرح بسم اللہ" کا پتہ احال

ہی میں چلا ہے، ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات، سندھ ادبی بورڈ، مرتبہ ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیرالدین (غیر مطبوعہ) مخطوطہ نمبر ۲۶۳ -

ز - بدایونی کا یہ بیان بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ "مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کی اولاد میں چند ناخلف رہ گئے ہیں جو چنداں لائق ذکر نہیں" (منتخب التواریخ، ص ۱۰۶)

مندرجہ بالا مباحث کا تجزیہ یہ بہ ظاہر کرتا ہے کہ "عبدالکریم" نام کے تین اشخاص ہم عصر تھے، ایک زیر بحث عبدالکریم بن محمد جن کا انتقال کم از کم ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء میں ہوا اور جن کی تین کتابیں برلن یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں -

دوسرے عبدالکریم انصاری وہ ہیں جن کا انتقال ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء میں ہوا جن کی تصانیف "شرح فصوص الحکم" "اسرار عجیبہ" وغیرہ ہیں، ان کا بھی مخدوم الملک عبداللہ انصاری کا بیٹا ہونا متعین نہیں ہے، اگر بدایونی کے بیان کو اہمیت دی جائے -

تیسرے، عبدالکریم جو "رسالہ تربیت در سلوک" کے مصنف تھے اور جن کا سن وفات متعین نہیں ہو سکا ہے -

عبدالکریم بن محمد کی تصانیف

عبدالکریم بن محمد لاہوری مندرجہ ذیل چار کتابوں کے مصنف تھے :

۱- عقاید الموحدین

۲- منتہی مطالب السالکین

۳- وصیۃ

۴- الرسالۃ فی التصوف[۵۷]

---

۵۷ زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۳۲۶، ۱۰۶ -

پہلی تین مذکورہ کتابوں کے مخطوطے برلن یونیورسٹی لائبریری میں حسب ترتیب کیٹلاگ نمبر ۱۸۷۸، ۴۱۰۸، ۴۱۰۶، ۴۱۰۴ موجود ہیں، اور ان تینوں کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں راقم الحروف نے حاصل کر لی ہیں، لیکن ... بھی کہا ... رسالۃ فی التصوف "مخطوطہ بقول زبید احمد آصفیہ لائبریری حیدر آباد دکن میں موجود ہے (۱ : ۳۶۶) نہ تو اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی مل سکی ہے اور نہ ہی اسے دیکھنے کا موقع ملا ہے -

مندرجہ بالا کتابوں میں سے "وصیۃ" کی تفصیل پیش کی جارہی ہے :

مخطوطے کی تعریف

برلن یونیورسٹی کی لائبریری میں مخطوطہ محفوظ ہے، جس کا کیٹلاگ نمبر ۲ ۵۷ .PET ۴۱۰۸ ہے، چند دیگر مخطوطوں کی یک جا جلد بندی کی گئی ہے۔ "وصیۃ" کا تیسرا نمبر ہے، اور ۲۸ ب سے ۳۴ ب تک صرف ۷ صفحوں پر مشتمل ہے، جس کا کوئی خاص عنوان کاتب نے نہیں لکھا ہے، صرف اس بنیاد پر کہ مذکورہ مخطوطہ وصیتوں پر مشتمل ہے، کیٹلاگ میں اس کو "وصیۃ" ظاہر کیا گیا ہے۔

کتاب کا سائز ۱۴ x ۹ سم ہے اور ہر صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں۔ کتابت صاف اور ستھری ہے، سنِ کتابت مذکور نہیں ہے اور نہ ہی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ "اصل" سے اس کا مقابلہ کیا گیا تھا یا نہیں اور نہ ہی کسی کاتب کا نام درج ہے۔

مصنف نے جا بجا قرآنی آیات اور احادیث پیش کی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ صوفیوں اور بزرگوں کے اقوال بھی بطور استدلال مرقوم ہیں۔

(ق ۳۰ ب) پر "کما قال الحق جل شانہ فی الحدیث القدسی" کتابت کی غلطی ہے اس لیے کہ حدیثِ قدسی میں نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ اللہ کی طرف، اور عبارت یوں ہونی چاہیے تھی: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحدیث القدسی . . ."

ایک دوسری غلطی یہ ہے کہ "باداؤد اھجر ھواک فانہ لامنازع ینازعنی فی ملکی الا الھوی (ق ۳۰ الف) کو قرآنی آیت کہا گیا ہے حالاں کہ یہ قرآنی آیت نہیں ہے۔

اسی طرح ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے عبارت میں رد و بدل بھی کر دیا ہے۔ اس لیے کہ "والواب رحمۃ اللہ مفتحاتہ . . . عن السیئات" (ورق ۳۱ الف) یا تو آنے والی عبارت "وان رجعت الینا قبلناک" (ق ۳۱ الف) کے بعد ہونی چاہیے یا پھر وہاں ہونی چاہیے جہاں "توبہ" سے بحث کی گئی ہے۔ اور اس طرح "والقلب السلیم ھو الذی ما دخل فیہ غیر اللہ (ق ۲۹ ب) کے بعد ہونی چاہیے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کتاب کا نام "وصیۃ" ہے، لیکن "یا اولادی" سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ مصنف نے اپنے صلبی اولاد کو مخاطب کیا ہے، چوں کہ عبدالکریم بن محمد صوفی تھے اور جس طرح ایک شیخ اپنے تمام مریدوں کو اولاد کی طرح سمجھتا ہے اور اولاد سے خطاب کرتا ہے، اسی طرح شیخ عبدالکریم بن محمد یا ہوری

نے بھی اپنے تمام مریدوں کو اس وصیۃ کے ذریعے خطاب کیا ہے:

کتاب آٹھ وصیتوں پر مشتمل ہے: (۱) تقوے کی حقیقت (۲) صوفیوں سے محبت کرنے کے بارے میں (۳) توبہ اور اس کی حقیقت (۴) اللہ کی طرف کلی طور پر راغب ہونے کے بارے میں (۵) نفس کی مخالفت (۶) مخلوق کی بھلائی (۷) لاالہ الا اللہ کا ذکر اخلاص کے ساتھ (۸) امارت کی حالت میں تواضع اختیار کرنا۔

عبدالکریم بن محمد لاہوری اور تصوف

عبدالکریم باعمل صوفی تھے، اس بات کا ثبوت نہیں مل سکا ہے کہ یہ کس کے شاگرد اور مرید تھے[۵۸]۔ آپ بہرحال نظریہ وحدۃ الوجود کے زبردست حامی تھے، اس لیے کہ وہ اپنی کتاب "عقاید الموحدین" میں (جو ۹ بابوں پر مشتمل ہے اور آخری باب کا نام ہی "وحدۃ الوجود" رکھا ہے)۔ اس عقیدے کی تائید میں لمبی چوڑی بحث کی ہے اور ایک منطقی دلیل پیش ظاہر کیا ہے۔

"واعلم ان اللہ منزہ عن العدد والنہایۃ . . . ففی کل درجۃ لہ ظہور" (عقاید الموحدین، ق ۲۰ الف)

عبدالکریم بن محمد لاہوری کا استدلال ہے کہ خدا تعالیٰ منزہ عن الحد والنہایۃ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شے اس سے خالی نہیں، بہ شکل دیگر یہ معنی ہوں گے کہ خدا اشیا کے تک محدود ہے اور اشیا از خود موجود ہیں۔

اس نظریہ وحدۃ الوجود کی تائید میں انھوں نے یہ حدیث بھی پیش کی ہے:

کان اللہ فی الازل ولم یکن معہ شئی، وھو الآن علی ما کان

ازل میں اللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی، اور ہنوز وہ اسی طرح ہے۔

---

۵۸ خزینۃ الاصفیا (۲: ۴۷۰) اور حدیقۃ الاولیاء (ص ۹۲) میں لکھا ہے کہ عبدالکریم، نظام الدین بلخی کے مرید تھے، اور یہی تمام دیگر سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے، (نزہۃ الخواطر، عبدالحی لکھنوی، ۵: ۲۴۳۔ پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ۲: ۲۸۲۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، زبید احمد، ص ۱۰۶)، لیکن یہ بات محلِ نظر ہے اس لیے کہ زیرِ بحث عبدالکریم وہ نہیں ہیں جن کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے تھا، اس لیے کہ خزینۃ الاصفیا کا یہ بیان کہ عبدالکریم، مخدوم الملک عبداللہ انصاری کے لڑکے تھے، صحیح نہیں ہے، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔

منجملہ دیگر مباحث کے، دوسری وصیت میں "صوفیوں سے محبت کرنے کے بارے میں" عبدالکریم نے جس خیال کا اظہار کیا ہے اس میں سے اگر مندرجہ جملوں کو مثلاً "یہ کہ صوفیوں سے وہی بغض و عناد رکھتا ہے جو بدبخت اور منافق ہو" یا یہ کہ "جب اہلِ تصوف کا انکار اکثریت کرنے لگے تو اس وقت مخلوق پر اللہ کا غضب شدت اختیار کر لیتا ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے" کو سیاق و سباق سے علیحدہ کرکے پڑھا جائے تو پھر ان لوگوں کا نکتہ صحیح معلوم ہوتا ہے جو تصوف پر اعتراض کرتے ہیں، لیکن اگر اس کو سیاق و سباق کے مطابق پڑھا جائے تو معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ تصوف سے کیا مراد ہے؟۔

عبدالکریم لاہوری با عمل صوفی تھے جس کے لیے علم ضروری ہے، مصنف نے علما کی تین اقسام گنوائی ہیں۔ ایک علمائے دنیا، دوسرے علمائے آخرت یعنی زہاد اور تیسرے علما۔ باللہ، یعنی وہ صوفیا ہیں جو عارف ہوتے ہیں، بہ الفاظِ دیگر جو عرفانِ رب کے حامل ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ عرفان بغیر صحیح علم کے حاصل نہیں ہو سکتا، جس کے لیے قرآن و حدیث کا جاننا ضروری ہے، گویا مصنف نے اس فرق کو ختم کر دیا جو شریعت اور طریقت دو مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں اور جس کی بنیاد پر تصوف کو بدنام کیا گیا ہے۔

تصوف کا مفہوم عبدالکریم لاہوری کے نزدیک یہی ہے کہ شریعت کا عالم ہو اور اس کے مطابق عمل کرے تو وہی حقیقی صوفی ہے۔

اب عبدالکریم بن محمد لاہوری کی کتاب "وصیۃ" کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

متن کا ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریف اللہ کے لیے جو شرکت سے پاک ہے، اور برگزیدہ نبیؐ اس کی اولاد، اور اس کے مقدس ساتھیوں پہ درود و سلام ہو۔

درود و سلام کے بعد، شیخ عبدالکریم بن محمد لاہوری جو بزرگ امام اور قابلِ قدر ہستی ہیں اور جو ہماری رہنمائی اللہ کی طرف کرنے والے ہیں، بیان کرتے ہیں۔

اے میری اولاد! اللہ تمھیں اپنے پسندیدہ عمل کی توفیق عطا فرمائے، میں تمھیں اللہ سے ظاہری و باطنی تقوے کی وصیت کرتا ہوں، ظاہری تقوے سے مراد انسان کا اپنے اعضا و جوارح کو گناہ سے بچانا ہے اور باطنی تقوے سے مراد انسان کا اپنے قلب کی حفاظت کرنا ہے، یعنی یہ کہ قلب میں سوائے اللہ کے اور کسی کا در نہ

یہی مکمل ایمان کی شرط ہے، اور جب مومن کا ایمان مکمل ہو جائے تو وہ اللہ کا دوست ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے؛ سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے[۹] (دوسری) وصیت یہ کرتا ہوں کہ تم صوفیوں سے جو عارف باللہ ہیں، ان سے محبت کرنا اور ان کا ظاہری اور باطنی طور پر انکار نہ کرنا، اس لیے کہ انکار کرنا بدقسمتی ہے اور ان کی محبت کا انکار کرنے والا بدنصیب ہوتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ سے وابستہ رہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اہلِ تصوف کے پاس بیٹھا کرے[۱۰]

اہلِ تصوف وہ لوگ ہیں جنھوں نے عالمِ طبیعی سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور عالمِ حقیقت تک پہنچ چکے ہیں۔ عالمِ حقیقت وہ عالم ہے جہاں دوئی اور بغض کا تصور نہیں ہوتا، اس لیے ایسے لوگوں کا انکار کرنا گویا اللہ کا انکار کرنا ہے، اور ان سے محبت کرنا گویا اللہ سے محبت کرنا ہے، یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقرا روئے زمین پر اللہ کے وکیل و نمائندہ ہیں، اس لیے جو اُن کی توقیر نہیں کرتا، اللہ ایسے لوگوں کی توقیر نہیں کرتا، اور جو ان کی خدمت کرتا ہے اللہ ان کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہے[۱۱]

فقرا درحقیقت اللہ کی طرف کلیتہً رجوع کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے وہ عارف باللہ ہوتے ہیں اور اہلِ حقیقت کا اس پر اتفاق ہے کہ صوفیوں سے ہر ایمان دار محبت کرتا ہے اور ان سے صرف وہی بغض و عناد رکھتا ہے جو منافق ہو۔

تصوف صرف ظاہری طور طریق کا نام نہیں ہے، بلکہ تصوف کے ایک خاص معنی اور اس کی ایک حقیقت ہے، اور جب اہلِ تصوف کا انکار اکثریت کرنے لگے تو اس وقت مخلوق پر اللہ کا غضب شدت اختیار کر لیتا ہے، اور یہ بات متفق علیہ ہے۔

تیسری وصیت یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی گناہوں سے توبہ کرتے رہنا۔ ظاہری گناہ وہ ہے جس کا ارتکاب

---

۹ یونس - ۶۲، ۶۳

۱۰ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے، کسی صوفی کا قول ہوگا۔ (المعارف)

۱۱ ان الفاظ پر مشتمل کوئی حدیث نہیں۔ (المعارف)

اعضا و جوارح کرتے ہیں، باطنی گناہ وہ ہے جو محسوس نہیں ہوتے اور جو انسان سے دھوکے، فریب، حسد، کینہ اور دشمنی کی صورت وغیرہ جیسے برے اعمال کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور باطنی گناہ ظاہری گناہ سے بہت زیادہ خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)[12] اور قلب سلیم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا گزر نہ ہو،

چوتھی وصیت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف کلی طور پر راغب ہو جاؤ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر خدا کو شریک (خدا) بناتے اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں، لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو خدا ہی کے سب سے زیادہ دوست دار ہیں[13]

اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا سب کو بھول جائے، اس لیے کہ جب اللہ سے محبت شدید ہوتی ہے تو وہ اللہ کے سوا سب کو بھول جاتا ہے جیسا کہ زلیخا اور یوسف کے قصے سے ظاہر ہے کہ جب زلیخا کی محبت یوسف کے لیے مخصوص ہو گئی تو زلیخا ہر چیز کو یوسف سے نام پکارتی تھی، عاشق کے دل میں جب کسی کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس محبت پر استقامت ہو جاتی ہے تو عاشق پر محبوب کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔

محب صادق کی ایک قسم وہ ہے کہ اس پر محبوب کی حقیقت ایک خاص صورت میں عیاں ہوتی ہے، دوسری قسم یہ ہے کہ محبوب کی حقیقت تمام ظاہری صورت سے متعلق ہوتی ہے، تیسری قسم یہ ہے کہ محبوب کی حقیقت معنوی طور پر عیاں ہو جاتی ہے۔ پہلا ابتدائی ہے، دوسرا متوسط ہے اور تیسرا منتہی۔ اور اس تمام بھلائی کی کنجی عارف باللہ کا خدا کے سامنے کامل تسلیم و رضا کا نام ہے، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کی محبت شدید ہو جاتی ہے تو وہ طریق حق پر چل پڑتا ہے اور اس طریق حق کو صرف اللہ کے عالم بندے ہی جانتے ہیں۔

علما تین قسم کے ہوتے ہیں: علمائے دنیا، علمائے آخرت اور علما باللہ۔ علمائے دنیا وہ ہیں جو قاضی، مفتی اور مدرس ہوتے ہیں، اور ان کا علم دنیاداری کا علم ہے، اس لیے ان کا علم صرف دنیا ہی میں ان کو منافع پہنچاتا ہے، دنیاوی منافع میں عزت، امرا و سلاطین کے یہاں مرتبہ اور مناصب قضا، فتوی، تدریس اور کثیر مال

---

[12] الشعراء - ۸۸، ۸۹

[13] البقرہ - ۱۵

کا حصول (جو فانی ہے) ۔ علمائے آخرت وہ ہیں جو زاہد و تارک الدنیا ہیں، یہ لوگ فنا ہونے والی خواہشوں کو ترک کر کے باقی رہنے والی خواہشات کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے کہ جنت اور جو کچھ اس میں ہے وہ انسانی خواہشات کی تکمیل کی جگہ ہے، جیسا کہ خدا کا فرمان ہے (اور وہاں جو جی چاہے اور جو آنکھوں کو اچھا لگے موجود ہوگا) ۔ (الزخرف : ۷۱) ۔ اور علماء باللہ وہ ایسے صوفی ہیں جو عارف ہیں اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طلب نہیں کرتے، اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ رب کو پالیا تو گویا سب کچھ پالیا، جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے "اے میرے بندے جب مجھے تونے پالیا تو پھر تیرے لیے سب کچھ موجود ہے، اور جب تو مجھے نہ پاسکا تو پھر تو کچھ نہیں پاسکا، اور ایسے لوگ ہر شے میں تصرف کر سکتے ہیں ۔

میری پانچویں وصیت یہ ہے کہ تم نفس و خواہشات کی مخالفت کرنا اس لیے کہ نفس اللہ کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کروانا چاہتا ہے اور جو اللہ کے دشمن کا ہم نوا ہو وہ اصل میں اللہ کا دشمن ہے، جیسا کہ حضرت داؤد کے سلسلے میں مذکور ہے ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اے داؤد، اپنی خواہشات کو ترک کردیجیے، اس لیے کہ میری ملکیت میں اگر کوئی حق دار بننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خواہشات ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے سکلہ "الٰہ" کے معنی ہیں جس کی اطاعت کی جائے، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس نے اپنے خواہشات کی اتباع و اطاعت کی گویا اس نے اپنی خواہشات کو معبود بنالیا ۔ جنید بغدادی اور دوسرے صوفیا کا قول ہے کہ "کفر کا لباس یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کی اتباع و پیروی کرے ۔"

چھٹی وصیت یہ ہے کہ تمام مخلوق کی بھلائی کے لیے کام کرو ۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور بدترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو تکلیف پہنچائے ۔"

ساتویں وصیت یہ ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر خلوص کے ساتھ کیا کرو، اس لیے کہ اخلاص یہ ہے کہ جب انسان "لا الٰہ الا اللہ" (زبان) سے کہے تو پھر اس کے دل میں اللہ کے سوا کسی کو دخل نہ ہو ۔ جب انسان ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو پھر اس کے قلب میں بھی اللہ ہی اللہ ہو، اور جب انسان

سکلہ الفرقان، ۴۳

اپنے معبود اور اللہ کے ساتھ مخلص ہو جاتا ہے تو اس کو اللہ کا قرب بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ "لا الہ الا اللہ" کا معنی یہ ہے کہ حقیقت میں سوائے اللہ کے کسی کا (دائمی) وجود نہیں۔

آٹھویں وصیت یہ ہے کہ امارت کی حالت میں تواضع اختیار کرنا، قدرت کے باوجود عفو و درگزر کرنا، بغیر سوال کے دینا اور لوگوں کو نصیحت کرنا۔

دنیا اور اس کائنات کی حیثیت اللہ کے نزدیک معمولی مچھر کے پر کی طرح ہے اور یہ دنیا ختم ہو جانے والی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی ہے[۱۵])۔ رحمت خداوندی کے دروازے توبہ کرنے والوں کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے (اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور (ان کے) قصور معاف فرماتا ہے[۱۶])

بنی اسرائیل میں ایک شخص رہتا تھا جس نے بیس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، پھر اس کے بعد بیس سال تک اللہ سے غافل رہا اور اس کی نافرمانی کی، ایک دن جب اس نے آئینہ دیکھا تو اس کو بڑھاپے کے آثار نظر آئے، اس وقت اس نے کہا اے میرے رب میں نے بیس سال تک تیری عبادت کی اور اس کے بعد اسی طرح بیس سال تک تیری نافرمانی کی ہے، تو کیا اگر میں تیری طرف رجوع کروں تو تُو مجھے قبول کرے گا، اس شخص کو ایک غیبی آواز سنائی دی۔ تو نے مجھے مانا، تو میں نے تجھ کو قبول کیا تھا، تو نے مجھ کو چھوڑ دیا تو میں نے بھی تجھے چھوڑ دیا، تو نے میری نافرمانی کی تو میں نے تجھ کو ڈھیل دی، اب اگر تُو میری طرف رجوع کرتا ہے تو میں تجھے لبیک کہوں گا ــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق ہے، اور سیدھی راہ پر وہی چلاتا ہے۔ اسی طرح ایک قول ایمان کی صفت کے بارے میں ہے: ایمان ایک باطنی نور ہے جس سے بدن روشن و منور ہوتا ہے، اس کی وجہ سے شکوک و شبہات اور جھوٹ کی نفی ہوتی ہے، یقین کو جنم دیتا ہے اور نفس و شیطان کے خطروں کو دور کرتا ہے، قلب کو اللہ کی محبت سے بھر دیتا ہے، عبد و معبود کے درمیان تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور ایمان کی بدولت اچھی باتیں عیاں ہو جاتی ہیں، اور علم معرفت حاصل ہوتا ہے۔

(اس مخطوطے کے ترجمے سے پتا چلتا ہے کہ نہ یہ کوئی علمی چیز ہے اور نہ اس سے تصوف و معرفت کے نکتے حل ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف زیادہ علم نہیں رکھتے ــــ ادارہ)

---

[۱۵] النحل، ۹۶ [۱۶] الشوریٰ: ۲۵